زکوٰۃ
معاشیاتی نقطۂ نظر سے

از جناب نعیم صدیقی

نظام سرمایہ داری اور کمیونزم نے جو معاشیاتی مسئلے پیدا کر دیے ہیں، اسلام ان کے لیے اپنے خاص معتدل حل رکھتا ہے۔ اور یہ حل صحیح الفکر مسلمانوں کی طرف سے کتابوں اور رسالوں میں بھی اور کبھی کبھی تقریروں میں بھی پیش ہوتے رہتے ہیں۔ مگر ایک بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ کچھ تو اسلام کے وکلا کا فن توضیح خام ہے اور کچھ مخاطبین اسلام اس کی ہر چیز کے متعلق مستقل غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں، نتیجہ یہ کہ اسلام جتنا غیر واضح اب تک رہا ہے بدستور اتنا ہی غیر واضح ہے۔

اس اشارہ کی تفسیر کے لیے مثال کے طور پر "زکوٰۃ" کو لیجیے! زکوٰۃ ارکانِ خمسۂ اسلام میں سے ایک ہے اور اس وجہ سے نظام دینی کے موثر ترین اجزا کی صف میں شمار ہوتی ہے ـــــ اور یقیناً اپنے دوسرے بہت سے روحانی، اخلاقی، اور تنظیمی فوائد کے ساتھ یہ ان معاشی دکھوں کا ایک دارو بھی ہے جن سے دنیا کی دنیا نالاں ہے اور جن کے شدید دوروں سے بچنے کے لیے وہ اپنے خدا سے بغاوت تک کرتی پھرتی ہے اور ایمان و اخلاق سے بے نیاز ہوئی جا رہی ہے۔ مگر مسلم نظریہ کے شارحین نے جب کبھی موجودہ معاشی مسائل سے بحث کی ہے اور ان کے حل کے لیے اصول اسلام کے استعمال کی دعوت دی ہے تو بالعموم اس مقصد کے لیے انھوں نے اتنا ہی کافی سمجھا ہے کہ لوگوں کے سامنے اسلام کے معاشی اصول گنوا دیں اور اس کے "مطلوبات" اور "ممنوعات" کی ایک فہرست پڑھ دیں، کہ دیکھو یہاں زکوٰۃ کا حکم ہے، تقسیم وراثت کا ایک قانون ہے، فے اور غنیمت میں غربا کے یوں یوں حقوق مقرر ہیں، اور دوسری طرف سود اور قمار اور سٹہ بازی اور اکتناز و احتکار اور بیوعِ فاسدہ وغیرہ کا دروازہ بالکل بند ہے۔ ان حالات میں کوئی وجہ نہیں کہ سرمایہ داری

یا کمیونزم کی خرابیاں اسلامی نظام کے ہوتے ہوئے رونما ہوں، البتہ ان دونوں کے پاس جو خوبیاں ہیں وہ ایک جگہ جمع دیکھی جا سکیں گی، بلکہ ان سے زائد کچھ اعلیٰ ترین خوبیاں اور بھی ہوں گی! — مگر معاشیاتی مسائل میں غور کرنے کا فن موجودہ دور میں ایک خاص نہج اختیار کر چکا ہے اور لوگ اس فن سے ادھر ادھر ہو کے بات کرنے والوں کی آواز پر کان نہیں دھرتے، چاہا یہ جاتا ہے کہ معاشیاتی مسائل پر گفتگو کرنے والا واقعی متعلقہ اعداد و شمار کو جمع کر کے ان کو اپنے اصول کے تحت مرتب کرے اور ان سے بالکل ریاضیاتی طور پر حساب جوڑ کے بتائے کہ اس کا اصول فلاں فلاں نتائج اتنے اتنے نکال کے دکھا سکتا ہے۔ اور لوگوں کو ایسا ذہنی مطالبہ کرنے کا حق بھی ہے۔ آخر ہم عالمِ غیب کی آیات متشابہات پر جب بات نہ کر رہے ہوں بلکہ مسائل درپیش ہوں اس پانی اور مٹی کی دنیا کے متعلق تو پھر اپنی بات کو اسی مٹی کی منڈی کے ترازو دل پر رکھ کر لوگوں کے جانے پہچانے باٹوں سے تول کر کیوں نہ دکھایا جائے کہ اس میں اتنا وزن ہے۔

مگر اول تو اسلام کے صحیح الفکر نمائندے ہی یہاں معدودے چند ہیں، اور جو ہیں ان میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو اسلام کے نظام سے تو آگاہی رکھتے ہیں مگر کفر کے نظاموں سے واقف نہیں کہ لوگوں کو دونوں کا تقابل کر کے دکھا سکیں، نیز ان کے لیے یہ بھی مشکل ہے کہ اسلام کی پوری کل میں سے ان پرزوں کو الگ کر کے لوگوں کے سامنے لا رکھیں اور ان کے عمل کی توضیح کریں جو صرف معاشیات سے متعلق ہوں۔ اس مشکل کی حقیقت یہ ہے کہ اسلام "وحدتِ حیات" کے نظریہ پر تعمیر ہوا ہے۔ یعنی اس کی پوری مشین ایسی کی ایک جب چلتی ہے تو سیاسیات، معاشیات اور معاشرت اور دوسرے سارے شعبوں کا عمل ٹھیک ٹھیک جاری ہو جاتا ہے، مگر اگر تم یہ چاہو کہ ایک شعبہ کا کام کرنے والے اصولوں کے پرزے الگ کر کے ان کی کارگذاری کی توضیح کر سکو تو یہ ممکن نہیں ہے، کیونکہ یہاں ایک ہی پرزہ بیک وقت سیاسیات میں بھی، اور معیشت میں بھی اور معاشرت میں بھی اپنی ایک ہی حرکت سے متعدد نتائج پیدا کرتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ علمائے متقدمین کو کبھی بھی اسلام کو شعبوں میں بانٹ کر اس پر غور کرنے اور اس کو دوسروں کے سامنے پیش کرنے کا خیال نہیں آیا، بلکہ انھوں نے اسے ایک ناقابلِ تقسیم وحدت کی حیثیت سے سمجھا اور سمجھایا لیکن آج تقسیمِ فکر اور تقسیمِ کار کا فلسفہ فروغ پا چکا ہے اور کسی کل کو اجزا میں تقسیم کر کے اس پر

غور کرنے کا فن اتنی ترقی پا چکا ہے اور شاید اتنا ضروری بھی ہوگیا ہے کہ ایک اوسط درجہ کا انسان کسی بڑے کل پر بیک نظر غور کرنے پر آمادہ تک نہیں ہو سکتا۔ اور جو لوگ اسلام کے کُل کے ایک ایک جز کو خوب اچھی طرح تجزیہ و تحلیل کر کے نہیں سمجھا سکتے ان کی آواز کانوں کے پردوں سے ٹکرا کے لوٹ آتی ہے۔ ان پردوں کو چیر کر دلوں میں اتر نہیں سکتی۔

علاوہ بریں جب ہم لوگ اصول اسلام کو عملی سیاست و معیشت پر چسپاں (Apply) کر کے لوگوں کو ان کی حقیقت سے آگاہ نہیں کر رہے ہیں تو پتہ ہے کہ اس کا نتیجہ کیا برآمد ہو رہا ہے ــــ یہ کہ ہمارے اپنے تعلیمیافتہ لوگوں میں بھی اور ان سے کئی گنا زیادہ غیر مسلم طبقہ میں بھی یہ خیال پرورش پا رہا ہے کہ اسلام کوئی خاص نظام تو رکھتا نہیں، بس ذرا کچھ اخلاقی سچائیاں ہیں جن کی وہ دعوت دیتا ہے، جیسے دوسرے تمام مذاہب کے پاس کچھ سچائیاں ہیں اور وہ بھی ان کی دعوت دیتے ہیں۔ نماز، روزہ اور زکوٰۃ اور حج اور قرآن اور جنت و دوزخ اور فرشتوں اور نبیوں کا یہ دین بس ایک "دھرم" ہے، جس کے پاس کوئی ایسی کلید نہیں ہے جو دور حاضر کے مسائل کے قفل کھول سکے ــــ اس کا زمانہ گذر چکا۔

کسی اور ملحدانہ نظام یا اصول کو اگر یہاں پیش کیا جائے تو فوراً لوگ اسے عملی زندگی پر چسپاں کر کے دیکھنے لگتے ہیں کہ یہ کیا کیا نتائج دکھا سکے گا اور پھر مجرد اس کے نتائج کی افادی قدر و قیمت کے لحاظ سے اس کی صداقت کا اندازہ قائم کرتے ہیں، مگر اسلام کے اصول و نظام کو اصول و نظام کی حیثیت سے اور عملی زندگی پر اس کے امکانی اثرات کے حساب سے سوچنے کی نوبت ہی پیش نہیں آتی، بلکہ پہلے ہی حکم لگا دیا جاتا ہے کہ "یہ مذہب" ہی تو ہے! ــــ دنیا کے جھگڑوں سے اسے کیا واسطہ!

ان حالات میں اسلام کے کسی داعی کے لیے لازم ہے کہ وہ اسلام کو مجرد ایک اصول و نظام کی حیثیت سے عملی زندگی پر چسپاں کر کے دکھائے اور اس طریق سے اس کی قدر و قیمت قائم کرنا لوگوں کو سکھائے اور "مسلمانوں کے قومی مذہب" کی حیثیت سے اسے ہرگز پیش نہ کرے۔

اس تجویز کے تحت میں نے بعض معاشیاتی اور بعض سیاسی مسائل پر غور کیا اور یہ چاہتا ہوں کہ اگر مطلوبہ اعداد و شمار فراہم ہوتے جائیں تو ان کو ایک ایک کر کے دور رواں کے فن توضیح کے تحت واضح

کردوں۔ اسی سلسلہ کی پہلی کڑی یہ سطور ہیں جن میں زکوٰۃ کی اہمیت معاشیاتی نقطۂ نظر سے واضح کی گئی ہے۔
میں نے "زکوٰۃ" کے معاشیاتی عمل کو ناپ تول کے دیکھنے کے لیے پورے ہندوستان کی معاشی حالت کو سامنے رکھا ہے کہ اگر پورا ہندوستان اسلام کے معاشی اصولوں پر کاربند ہو تو اس کے بہت سے معاشی عوامل میں سے صرف ایک عامل یعنی زکوٰۃ کا عمل کیا ہوگا؟

اعداد و شمار جن کو پیش کیا گیا ہے ان کے ماخذ اگرچہ مستند ہیں، مثلاً مرکزی اطلاعات، گرگری رپورٹ وغیرہ، تاہم چونکہ اتنے منتشر مواقع سے یہ سمیٹے گئے ہیں کہ ان کے متعلق "دو اور دو چار" کی طرح کا یقین و اذعان نہیں ہو سکتا علاوہ بریں بعض مطلوبہ اعداد و شمار کا تلاش کرنا سرے سے وقت طلب ہے۔ اس لیے ان کی جگہ "قیاس" سے کام لینا پڑا ہے۔ بعض جگہ مطلوبہ اعداد و شمار کے اخذ کرنے میں اتنا پیچیدہ حساب کرنا پڑا ہے کہ اندازے میں غلطی کا امکان ہے۔ مگر ایسے معاملات میں چند ہزار اور چند سو کے کم و بیش ہونے کا سوال نہیں۔ مطلوب تو صرف یہ ہے کہ ایک سرسری مگر جامع اندازہ واقعاتی امور کو ملحوظ رکھ کر قائم کیا جا سکے۔

اگر اس کوشش پر مزید غور و فکر کرنے کے بعد میں مطمئن ہو سکا تو شاید بعض مزید مسائل پر بحث کر دوں۔

زکوٰۃ کے چند ضروری اصولیات زکوٰۃ کو معاشی پہلو سے جانچنے تولنے سے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ اس کے اہم اصول کیا ہیں؟ — نظام اسلامی کے اندر کسی بھی معاملہ کے اصول اس بنیادی ضابطہ سے اخذ کیے جاتے ہیں جنہے "خدا تعالیٰ" نے حاکم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے بندوں کے لیے مرتب کر کے واجب التعمیل قرار دیا ہے۔ اس ضابطہ کی اطاعت اسلامی ریاست کی ہیئت ناظمہ اور پبلک دونوں کے لیے یکساں لازم ہے اور دونوں کے تعاون سے اس کا نفاذ ہوتا ہے۔ اس اساسی ضابطہ میں نہ رائے عامہ کسی تغیر کا مطالبہ کر سکتی ہے، نہ ہیئت ناظمہ بربنائے قوت و اقتدار اسے بدل سکتی ہے۔

خدا کے مقررہ ضابطہ کی جو عملی توضیحات ضابطہ دینے والے "نبی" کی طرف سے اسلامی ریاست کو پہنچیں وہ گویا "سرکاری توضیحات" ہیں اور اس وجہ سے وہ اصولی ضابطہ کی مستقل اور واجب القبول تفسیر ہیں۔ ہاں اس اصولی ضابطہ اور اس کی سرکاری توضیحات کے فہم و ادراک میں اور اسے جزئیات پر منطبق کرنے میں اگر کوئی مخلصانہ اختلاف ہو تو وہ جائز اختلاف ہے۔[۱]

[۱] ملحوظ رہے کہ یہاں ابتدائیات اور ان کی تفصیلات کا ذکر بہ تذکرہ فقہی نقطۂ نظر سے نہیں ہوگا، اس وجہ سے کسی اختلافی مسئلہ میں تفصیلی بحث آپ کو نہ ملے گی۔ مضمون کے موضوع کا تقاضا ملحوظ رہے۔

ان اشارات کے بعد ذیل کے ضروری اصول قابل ذکر ہیں۔

(۱) زکوٰۃ "فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ" (توبہ) ہے۔ یعنی واجب الادا اور واجب الوصول — افراد دینے کے پابند اور سوسائٹی یا ریاست لینے کی ذمہ دار۔

(۲) زکوٰۃ اغنیا سے لی جائے گی (توخذ من اغنیاء ھم) اور محتاجوں کو دی جائے گی (وتردالی فقراء ھم) [۱]

(۳) زکوٰۃ کے مآخذ حسب ذیل ہیں

ا۔ کنز یعنی سونے یا چاندی یا سونے چاندی کے سکوں (یا سکوں کی قائم مقام مالیتی ہنڈیوں) سے۔ (والذین یکنزون الذھب والفضۃ)

ب۔ مالِ تجارت میں سے (عن سمرۃ۔ ان رسول اللہ صلعم کان یامرنا ان نخرج الصدقۃ من الذی نعد للبیع) — (انفقوا من الطیبات "ماکسبتم" ۲۰۳)

---

[۱] مراد یہ کہ اللہ کی زمین پر رہنا اور اس کے رزق سے استفادہ کرنا بالکل طبعی تقاضا یہ رکھتا ہے کہ انسان اس محسن اعظم کا شکر گذار ہو — لیکن چونکہ وہ محسن خود بے نیاز ہے، اس لیے اس نے شکر گذاری کی راہ یہ معین کی کہ اس کے بندوں (الخلق عیال اللہ) کی خدمت کی جائے۔ آدمی سے شکرانہ صدقہ وخیرات کے اموال تو بندوں کے کام آتے ہیں اور جو جذبات واحساسات ان کے جلو میں اٹھتے ہیں وہ اللہ کے ہاں ریکارڈ ہو جاتے ہیں۔

[۲] دنیا میں انسان مختلف صلاحیتوں کے ساتھ بھیجے گئے ہیں بعض کو جسمانی یا دماغی یا علمی یا مالی برتری حاصل ہوتی ہے اور وہ دنیا کے ذرائع و وسائل سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور بعض کی صلاحیتیں کم ہوتی ہیں اور وہ ضروریات بھی پوری کر نہیں پاتے۔ فلسفۂ اسلام زیادہ مال پا لینے والے قوی لوگوں سے یہ کہتا ہے کہ اس ارضی بیت المال میں تمہارا اصل حصہ تو اتنا ہی تھا جتنی فطری حاجات تمہارے ساتھ چمٹی ہوئی ہیں اور ان حاجات کو پورا کرنے کے لیے جو قوتیں درکار تھیں ان سے زیادہ قوتیں بھی تم کو دے دی گئی ہیں، یہ زائد قوت اور زائد مال اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ تم اپنے کمزور بھائیوں کی خدمت و اعانت پر بھی مامور ہو — یہ لوگ ہیں جنھیں "اغنیا" کہنا چاہیے۔

دوسری طرف جو لوگ کمزور ہیں اور اپنی ضروریات ہی کی حد تک ذرائع و وسائل پاتے ہیں یا ان سے بھی کم، ان کو صبر اور جد وجہد کی تلقین کے ساتھ یہ رعایت دی گئی ہے کہ تم پر دوسروں کی ذمہ داریاں نہیں ہیں، اور تمہارا شکر یہی ہے کہ افلاس کے زیر اثر اپنا اخلاق ضائع ہونے نہ دو — یقین رکھو کہ اللہ بہرحال رزاق ہے۔

"ماذا ینفقون؟ — قل العفو" کے ٹکڑے میں ان دونوں گروہوں کی تعریف قائم کرنے کے لیے مضبوط بنیاد موجود ہے "العفو" یعنی روزمرہ کی ضروریات میں سے کچھ بچت جس کے پاس رہے وہ "اغنیا" میں ہے اور جس کے پاس "العفو" نہ رہے وہ فقرا میں شمار ہوگا۔

ج۔ زرعی پیداوار میں سے۔ (ومما اخرجنا لکم من الارض)۔

د۔ مواشی میں سے۔ (ملاحظہ ہو زکوٰۃ کا حکم نامۂ صدیقیؓ بروایت حضرت انسؓ۔ نیز حدیث قد عفوت عن الخیل بروایت حضرت علیؓ)

(۴) زکوٰۃ شخصی نہیں، سوشل معاملہ ہے اور زکوٰۃ کی وصولی اور اس کا صرف سوسائٹی اور ریاست کے اجتماعی نظم سے متعلق ہے ـــــ نیز زکوٰۃ کو روکنا ایک فوجداری جرم (بمرتبۂ ارتداد) ہے۔[1]

[1] اس دعویٰ کا استدلال بہت صریح اشارات سے اخذ ہوتا ہے۔

(۱) "والعاملین علیہا" ـــــ کا ٹکڑا خود واضح کرتا ہے کہ اسلامی ریاست میں باقاعدہ محکمۂ زکوٰۃ قائم ہونا چاہیے۔

(۲) بالکل غیر متغیر اسوۂ نبوی یہ تھا کہ ساری زکوٰۃ آنحضورؐ کے پاس لازماً جمع ہوتی تھی اور خود آپؐ ہی کے دست مبارک سے تقسیم ہوتی تھی اور جن منافقین کی زکوٰۃ کو وصول کرنے سے آپؐ نے احتراز کیا، ان کا معاملہ بھی بتاتا ہے کہ اجتماعی نظم سے الگ اگر وہ زکوٰۃ ادا کرتے بھی ہوتے تو بے معنی تھا۔

(۳) مانعین زکوٰۃ کے خلاف حضرت ابا بکر صدیقؓ کا فیصلۂ جہاد اور یہ ارشاد کہ ان الزکوٰۃ حق المال واللہ لو منعونی عناقاً کانوا یؤدونھا الی رسول اللہ صلعم لقاتلتھم علی منعھا۔ اور پھر اس پر رب امر (کونسل) کا اجماع (یعنی بلا اختلاف اصدر قطعی فیصلہ) منع زکوٰۃ کو فوجداری جرم قرار دیا ہے۔

(نوٹ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اگر محکمۂ زکوٰۃ کو موقوف کر دیا تھا تو آنجناب کے نزدیک اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ زکوٰۃ ایک انفرادی معاملہ ہے اور ریاست کو اس سے تعرض کرنا چاہیے، بلکہ تبصرہ نگاروں نے اس کی وجہ یہ قرار دی ہے کہ زکوٰۃ دینے والوں کی کثرت اور زکوٰۃ لینے والوں کی قلت کی وجہ سے اور نیز عوام الناس کے اندر بہت قابل اعتماد سیرت کے نشو و نما پا جانے کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کو یہ مناسب معلوم ہوا کہ سرکاری طور پر "گویا ہر فرد ریاست" کو "عامل زکوٰۃ" بنا دیں، اور زکوٰۃ کے نکالنے اور صرف کرنے پر مامور کر دیں۔ نیز یہ وجہ بھی بتائی گئی ہے کہ عاملین زکوٰۃ نے لوگوں کو ستانا شروع کر دیا اور ان کی اصلاح نہ ہوتی دیکھ کر مجبوراً محکمۂ زکوٰۃ کو موقوف کر دیا گیا۔

مگر خود مجھے اس توجیہ سے اختلاف ہے اور حضرت عثمانؓ کی شان میں ایک ذرہ برابر بھی گستاخی کی جسارت نہ رکھتے ہوئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ خلیفۂ ثالث کا یہ اجتہادی فیصلہ اگر صادر نہ ہوا ہوتا تو معاملہ ٹھیک رہتا۔ زکوٰۃ کے وصول و صرف کے اجتماعی اور سرکاری نظم کا قائم ہونا ریاست یا عوام یا کسی شخص کی رائے سے نہ تھا کہ اس کی بنیاد مصلحت بینی پر ہوتی، بلکہ خدا کے قرآن نے اسے اجتماعی قرار دیا، اور خدا کے رسول کی سنت نے اسے ریاست کے فرائض میں شامل کیا۔ اس کے بعد یہ بات قابل ترجیح نہ تھی کہ اس فریضہ کو ریاست اپنی مصلحت بینی کے تحت اپنے اختیار سے افراد عوام سے متعلق کر دے۔ اگر زکوٰۃ بہت بڑھ بھی گئی تھی تو بھی اس کے لیے مصارف کی کمی نہ تھی، ملک کے چپے چپے میں شاہراہیں اور سرائیں اور شفاخانے اور مدارس قائم ہوتے چلے جاتے، اور اگر اس سے بھی مال بچ نکلتا تو غیر ممالک میں دین حق کو فروغ دینے کے لیے مختلف طرح کے کام جاری

(باقی حاشیہ صفحہ ۹۴ پر)

(۵) زکوٰۃ کا مقصد دولت کو گردش میں رکھنا اور پھیلانا ہے تاکہ محض اغنیا کے اندر نہ سکڑ جائے۔[لہ]

(۶) مستحقین زکوٰۃ مستقلاً حسب ذیل ہیں:۔

ا۔ للفقراء والمساکین —— انھیں کو سائل اور محروم بھی کہا جا سکتا ہے، نیز بیوائیں اور یتیم بھی ان میں شامل ہیں، جیساکہ دوسرے مواقع پر توضیح ہے۔

ب۔ والعاملین علیہا —— یعنی محکمۂ زکوٰۃ کے تحصیلدار Collector اور محررین وغیرہ (نیز متعلقہ دفتری مصارف اور سفر خرچ وغیرہ بھی اس مد میں شامل ہیں)۔

ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو اس کام پر مامور کیا جائے گا ان کی تنخواہیں بہرحال اسی محکمہ کی آمدنی سے ادا ہوں گی یاد رہے کہ محکمۂ زکوٰۃ کے کارندے اگر "غنی" بھی ہوں تو بھی وہ اپنی کارکردگی کا معاوضہ وصول کر سکتے ہیں —— کچھ ضروری نہیں کہ وہ اصطلاحاً فقرا ہوں —— کیونکہ قانون الٰہی کے سرکاری مفسر نے خود ان کے معاوضوں کو جائز اور Legell ٹھیرایا ہے۔

ج۔ والمؤلفۃ قلوبھم —— یعنی وہ لوگ جو نظام اسلامی کے اصل الاصول کو قبول کرنے کی وجہ سے اپنی پرانی سوسائٹی اور شٹلمنٹ سے کٹ گئے ہوں اور ان کے قدم معاشرتی اور معاشی طور پر اکھڑے ہوئے ہوں اور اب ان کے دلوں کی ڈھارس بندھانے کے لیے انھیں از سرِ نو استقلال پذیر (Settle) ہونے میں مسلم ریاست کی امداد و اعانت درکار ہو۔

د۔ وفی الرقاب —— یعنی وہ لوگ جو غلامی سے رہائی پانے کے لیے یا قرض کی گرفت سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۳) کیے جا سکتے تھے، نیز دنیائے انسانیت کے ہر مصیبت زدہ عنصر کو مدد بہم پہنچائی جا سکتی تھی اور اس کے ذریعے سے اعلائے کلمۃ اللہ کا کام از خود ہوتا چلا جاتا اور یہ سارا صرفِ زکوٰۃ گویا "فی سبیل اللہ" کی مد میں ہوتا۔ بہرحال نماز کے اجتماعی نظم کی مانند زکوٰۃ کا اجتماعی نظم اہم ہے۔

(۴) "المعتدی فی الصدقۃ کمانعھا" کے فرمودۂ نبوی کی گہرائی میں بھی اس مدعا کی طرف اشارہ ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) لہ یہ اشارہ آیت ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ وللرسول ولذی القربیٰ والیتٰمیٰ والمسٰکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم سے اخذ ہوتا ہے۔ اگرچہ بیان مالِ فے یا غنیمت کا مذکور ہے مگر اس میں غربا و مساکین کا حصہ لگانے کی جو علت مذکور ہے وہ ہر اس جگہ چسپاں ہوگی جہاں غربا و مسکین کا کوئی حق معین کیا گیا ہو۔

مالی امداد کے محتاج ہوں۔

ر۔ والغارمین ــــ وہ جو تاوان یا ضمان یا خون بہا وغیرہ کے زیر بار ہو رہے ہوں۔

س۔ وفی سبیل اللہ ــــ یہاں کوئی شخص یا اشخاص کی قسم مذکور نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ اسلامی ریاست کو نظام حق کے فروغ و استحکام اور اسے دوسروں کے سروں پر سایہ افگن کرنے کے لیے جو تبلیغی یا عسکری مساعی جاری رکھنی ہوں ان میں بھی زکوٰۃ فنڈ کا استعمال جائز ہے۔

ص۔ وابن السبیل ــــ مسافر لوگ، اگرچہ گھر پر غنی ہوں، بلکہ اگرچہ ان کے ساتھ روپیہ بھی ہو، مگر خود سفر ایک ایسی حالت ہے جو بہر حال آدمی کو کسی نہ کسی حد تک محتاجی کی سطح پر لے آتی ہے اس وجہ سے ان کو مطلوبہ امداد فراہم کی جا سکتی ہے۔

زکوٰۃ کے یہ اصولیات غیر متغیر (Unchangeable) ہیں۔ مزید تفصیلات صرف اپنے مواقع پر مذکور ہوں گی۔

استدراک: ان اصولیات کے بعد زکوٰۃ کے صرف کا ایک اور متنازعہ فیہ مسئلہ جان لینا چاہیے۔ نظام اسلامی کے ماہرین میں سے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم صرف عوام الناس کی شخصی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے صرف ہونی چاہیے یعنی مستحقین زکوٰۃ کو نقد روپیہ دے کر یہ بات ان کی مرضی پر چھوڑ دینی چاہیے کہ وہ اسے جس طرح چاہیں صرف کریں، یعنی جس ضرورت کا دباؤ ان پر شدید ہو، وہ اس کی طرف متوجہ ہو سکیں۔

اس نقطۂ نظر سے غربا اور محتاج لوگوں کے لیے اجتماعی ادارات کا انتظام کرنا زکوٰۃ کے فنڈ سے متعلق نہیں رہتا، بلکہ حکومت کے محکمۂ رفاہ عامہ کی ذمہ داری کے تحت چلا جاتا ہے اور حکومت کا تو بہر حال یہ فرض ہے کہ وہ اجتماعی ادارات اور وسائل کو فروغ دے اور اس غرض کے لیے امراء پر ٹیکس لگائے یا چندے طلب کرے یا اوقاف قائم کرنے کی ترغیب دے۔ بس زکوٰۃ کو وہ شخصی تملیک کے ذریعے صرف کرے، یعنی محتاج لوگوں کی ایک فہرست لے کر مختلف ضروریات کے لیے انھیں ان کا حصہ پہنچا دے، جسے روٹی نہ ملتی ہو، وہ روٹی حاصل کرے، جسے لباس نہ مہیا ہو وہ لباس خرید لے، جسے مکان حاصل نہیں وہ اس کا سامان کرے، جو بیماری کا ہدف ہے وہ دوا دارو کا انتظام کرے، جس کے ہاں زچگی ہونے والی ہے وہ دایہ کا خرچ برداشت کرنے کے قابل ہو، جس کے سر قرض کا بار ہے وہ اسے ہلکا کر سکے جسے بچے کی تعلیم کے لیے کتابیں اور قلم خریدنا ہے وہ ادھر متوجہ

ہو سکے، جس پر بیکاری کا حملہ ہے وہ اپنے مصیبت کے دن کاٹ سکے، جس پر کوئی واجب الادا جرمانہ ہے وہ اس سے عہدہ برآ ہو سکے، جسے سفر میں مشکلات درپیش ہوں وہ اپنی مشکلات کو حل کر سکے۔

معاشی نقطۂ نظر سے اس نظریہ میں کافی وزن پیدا کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ یورپین آزاد ریاستوں میں اجتماعی ادارات اور رفاہِ عامہ کی کمی نہیں، بلکہ شاید اس معاملہ میں "اسراف" پایا جا سکتا ہے، لیکن اس حال میں بھی فاقہ مستوں کا قحط نہیں ہے ——— خود امریکہ میں ۱۲/ آبادی تحت درجہ مصیبت زدہ ہے اور اجتماعی ادارات اور رفاہِ عامہ کے باوجود اس کی مصیبتوں کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ مانا کہ آپ نے خوشنما پختہ سڑکوں کا ایک جال پھیلا رکھا ہو، مگر ان پر چلنے سے ایک بے روزگار انسان کی فاقہ مستی کا ازالہ تو نہیں ہو سکتا۔ آپ نے ریڈیو سیٹ کسی گاؤں میں اگر نصب کرا دیا ہو تو اس سے کسی تاریک جھونپڑے میں روشنی تو نہیں ہو سکتی ——— آپ نے کالج کھول دیا تو اچھا کیا مگر جس مزدور کو اپنی نوجوان بیٹی کی شادی کی فکر ہے اس کی ضروریات تو کالج سے پوری نہ ہوں گی! ——— الغرض شخصی ضروریات" اجتماعی زندگی میں ایک مستقل اہم و قابلِ توجہ شعبہ ہے اور اگر صرف اجتماعی ادارات اور رفاہِ عامہ کے کاموں پر سارا خزانۂ ریاست مصروف رہے تو یہ شعبہ تو تشنہ ہی رہے گا۔

رفاہِ عامہ اور اجتماعی ادارات کا سلسلہ تو ایسا وسیع سلسلہ ہے کہ ملک کے پورے فنڈز اس میں کھپ سکتے ہیں اور پھر بھی اس کی پیاس نہ بجھے گی، پھر اگر ریاست کو اپنے زکوٰۃ فنڈ بھی اسی سلسلہ میں کھپا دینے کر دیا تو "شخصی ضروریات" ہوتے ہوتے بالکل نظر انداز ہو جائیں گی۔ دوسرے یہ امر ملحوظ رہنا چاہیے کہ اجتماعی ادارات اور رفاہ عامہ کی "فطری اہمیت" اتنی ہے کہ حکومت اور رعایا دونوں اس سے غافل ہو ہی نہیں سکتیں، ان کے بغیر نہ اندرونی نظم اور قوت اور دولت میں ترقی ممکن ہے، نہ بیرونی طاقتوں سے تحفظ ہی ہو سکتا ہے۔ پس ان ناگزیر کاموں کو جاری رکھنے کے لیے حکومت سو راستوں سے اخراجات بہم پہنچا سکتی ہے۔

اس سلسلہ کے استدلال میں ایک اہم امر یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ "زکوٰۃ" کا غرباء و مساکین اور محتاجوں کے لیے مخصوص ہونا قطعاً طے ہے اور حدیث نے اس کی تعریف ہی یہ کی ہے کہ اغنیاء سے لے کر فقراء کو دی جائے گی۔ اب اصول کے پیشِ نظر رفاہ عامہ کے رسائل و اجتماعی ادارات کی افادیت کو جب غرباء اور مستحقین زکوٰۃ

کے لیے مخصوص نہیں کیا جا سکتا تو گویا لازم ہوا کہ یہ سارا فنڈ براہِ راست لے کر محتاجوں کے حوالے شخصاً کر دیا جائے۔ اگر اصل الاصول یہ ہو تو ہندوستان میں زکوٰۃ اخذ کرنے اور صرف کرنے کا مسئلہ بہت آسان ہو گا کہ تقریباً ۴ کروڑ افراد سے جو کچھ از روئے حساب حاصل ہو اسے بقیہ ۳۶ کروڑ گوناگوں ضروریات کے لیے درجہ بدرجہ تقسیم کر دیا جائے۔

مگر دوسرے اسکول کی رائے یہ ہے کہ اسلامی حکومت اپنے مقصد وجود کے اعتبار سے لوگوں کی شخصی ضروریات سے لے کر اجتماعی ضروریات تک کا انتظام کرنے کی چونکہ یکساں ذمہ دار ہے اور چونکہ اس کا نظام خدا پرستی اور دیانت داری کے اصل الاصول پر چلتا ہے، اس وجہ سے اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ دانستہ لوگوں کی ابتدائی اور اہم شخصی ضروریات کو نظر انداز کر دے گی۔ ایک قابل اعتماد نظام پر بھروسہ ہونا چاہیے کہ وہ زکوٰۃ فنڈ سے مستحقین کی شخصی ضروریات بھی پوری کرے گی اور تعلیم، صحت، رسل و رسائل وغیرہ پر اس فنڈ کا کوئی حصہ اگر لگائے گی تو غربا کی طرف سے لگائے گی تاکہ وہ بے معاوضہ یا بارعایت معاوضہ پر اپنے لیے سہولتیں حاصل کر سکیں۔

اس سارے استدلال کی بنیاد خود اس آیتِ صدقات پر ہے جس میں زکوٰۃ کے مصارف متعین کیے گئے ہیں یعنی مستحقین میں ایک گروہ "مسافروں" کا ہے۔ ظاہر ہے کہ محض مسافر ہونے کے معنی غریب اور محتاج ہونے کے نہیں ہیں، مگر اس کے باوجود محض مسافر ہونے کی وجہ سے ایک شخص زکوٰۃ کے فنڈ سے استفادہ کر سکتا ہے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مسافر کی مدد محض یہی ہے کہ اسے کھانا کھلا دیا جائے یا چندہ کر کے کرایہ جمع کر دیا جائے، بلکہ یہی ہے کہ اس کو چلنے کے لیے صاف ستھری سڑکیں حاصل ہوں، رات آئے تو ریاست کی قائم کردہ سرائیں موجود ہوں، پیاس ہو تو جا بجا کنوئیں اسے مل سکیں۔ اب اس سارے انتظام سے غریب مسافر اور امیر مسافر، بلکہ بہت سے غیر مسافر بھی فائدہ لازماً اٹھا سکتے ہیں، مگر ان لوگوں کے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے مستحقین کو محروم تو کیا نہیں جا سکتا، ممکن العمل یہی ہے کہ اس نظام کے مصارف میں غربا کا حصہ تو زکوٰۃ فنڈ سے صرف ہو اور اغنیا سے جداگانہ ٹیکس یا چندے وصول کر لیے جائیں۔ اسی طرح تعلیم اور صحت کے اور دوسرے اجتماعی ادارات میں غربا کا حصہ زکوٰۃ فنڈ سے شریک کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہرگز ضروری نہیں ہے کہ نقد روپیہ ہی

ان کو شخصاً دیا جائے۔ بلکہ ان کو ضروریات کو حکومت بطور خود بھی پورا کر سکتی ہے۔ کیونکہ ریاست اپنی آبادی کے ہر فرد اور ہر طبقے کی جائز ولی اور وکیل ہے۔

پھر مصارف زکوٰۃ میں سے ایک بڑا اہم مصرف "فی سبیل اللہ" کا ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ اختلافات سے قطع نظر کرتے ہوئے ایک بات ماننی پڑتی ہے کہ یہ مد بہرحال افراد کی شخصی ضروریات سے بالاتر ہے۔ آخر یہ کیا؟

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے حفظ و بقا کے لیے اور نظام حق و عدل کو پھیلانے اور مستحکم بنانے کے لیے خرچ کے جو مواقع پیدا ہوں۔ ان میں بھی زکوٰۃ فنڈ کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ اتنا وسیع مصرف ہے کہ ریاست کی آبادی کی ساری ضروریات اس کی لپیٹ میں آجاتی ہیں۔ حفظ و بقائے نظام کے لیے لازم ہے کہ اس کے ماننے والوں کو معیاری غذا فراہم کر کے دی جائے۔ ان کی صحتوں کو بہتر رکھا جائے۔ ان کی ذہنی اور اخلاقی تعلیم کا نظم ہو۔ ان کی اولادوں کی صحیح تربیت ہو۔ ملک کے وسائل و ذرائع کو ترقی دیجائے اور سلسلۂ رسل و رسائل کو بہت وسیع رکھا جائے۔ اس مد نے عوام کی شخصی اور اجتماعی ضروریات کو بالکل ایک کر دیا ہے۔

اس نظریہ کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو پھر البتہ ہمیں اپنے زکوٰۃ فنڈ کو متعدد شعبوں میں تقسیم کر کے خرچ کرنا ہوگا۔

(باقی)

مندرجہ ذیل کتابیں چھپکر مکتبہ میں آچکی ہیں ضرورتمند حضرات طلب فرما سکتے ہیں۔

رسالہ دینیات اردو (نظرثانی شدہ)	عمر	تجدید و احیائے دین (نظرثانی شدہ)	عہ
قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں	عہ/	رسالہ دینیات (انگریزی)	[illegible]
حقیقت توحید	عہ/	مسئلہ جبر و قدر	عہ
اسلام اور جاہلیت	۶/	دین حق	۶/